بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين،نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين ، أَمَّا بَعْدُ:

28-شرح العقیدۃ الواسطیۃ

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ۔

اور ہم پچھلے چند دروس سے توحید اسماء وصفات کے تعلق سے تفصیل سے بات کر رہے ہیں، شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اسماء وصفات کے باب میں اب تفصیلی بیان کا آغاز کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جو مختلف نام ہیں اور جو صفات الکمال ہیں اُن کا ذکر ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ جو دلائل ہیں وہ بھی بیان کر رہے ہیں تفصیل کے ساتھ، اور ہم پہنچے تھے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اس قول پر "وقوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾(الذاریات:58)"۔

فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفۃ القوۃ کا ثبوت ہے اور یہ آیت جو ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد آئی ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝﴾(الذاریات:56-57)۔((پھر ان دو آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾))۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، لوگ جو ہیں محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے رزق کے اور اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق سے رزق کا سوال نہیں کرتا، ﴿الرَّزَّاقُ﴾ جو ہے صیغ المبالغہ ہے رزق سے اور رزق عطا کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ﴾ إلى آخر الآية (النساء:8)، ﴿فَارْزُقُوهُمْ﴾ "أي: أعطوهم" یعنی اُن کو دینا (عام لفظوں میں رزق دینے کو کہتے ہیں کسی چیز کو)، اور نماز میں بھی انسان جو ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، کہتا ہے "اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي"۔

کہاں کہتا ہے نماز کے کس حصے میں؟ ویسے تو انسان دعا کرتا ہے سجدے میں بھی آپ کر سکتے ہیں، تشہد کے بعد بھی آپ سلام سے پہلے جو ہے دعا کر سکتے ہیں جو بھی کرنا چاہے، دو سجدوں کے درمیان (بارك الله فيك) "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي، وَارْزُقْنِي، وَاهْدِنِي" یہ جو الفاظ ہیں ان میں رزق کا بھی ذکر ہے، تو نماز میں ہم کہتے ہیں "اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي"۔

اور پھر رزق کی دو قسمیں ہیں عام ہے اور خاص ہے، اور جب رزق کی بات کرتے ہیں لفظی معنی تو ہم نے جان لیا دینے کو کہتے ہیں اب اس کا جو اصطلاحی معنی ہے اور شریعت کے اعتبار سے جو معنی ہے وہ کیا ہے اس کو جاننے کے لیے ہمیں رزق کی ان دونوں قسموں کو سمجھنا پڑے گا۔

رزق کی دو قسمیں ہیں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں عام ہے اور خاص ہے، عام سے مراد یہ وہ رزق ہے جو جسم کے لیے نفع بخش ہوتا ہے چاہے حلال ہو یا حرام ہو، اور چاہے جسے رزق دیا جا رہا ہے مسلمان ہو یا کافر ہو، پھر سفارینی نے یہ کہا ہے:

والرزق ما ينفع من حلال ، أو ضده فخل عن المحال
لأنه رازق كل الخلق ، وليس مخلوق بغير رزق

کیونکہ اگر یہ کہا جائے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) کہ رزق صرف عطائے حلال ہی ہے اس کو رزق کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے جو حرام کھاتے ہیں اُن کو رزق نہیں دیا گیا؟! یا وہ رزق نہیں کھاتے تو پھر وہ کیا کھاتے ہیں جبکہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے؟! جو حرام کھاتا ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور جو حلال کھاتا ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور رزق بھی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے لیکن اس اعتبار سے رزق کی دو قسمیں ہیں طیب ہے اور خبیث ہے (یعنی جسے کہتے ہیں حلال ہے اور حرام ہے طیب اور خبیث ہے)۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف: 32)۔ شاہد کیا ہے؟ ﴿وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾، اس کا مطلب ہے ایسا رزق بھی ہے جو طیبات میں سے نہیں ہے یعنی جو خبیث ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) "ولم يقل: والرزق" یہ نہیں فرمایا صرف رزق نہیں فرمایا اور جو خبائث رزق میں سے ہیں وہ حرام ہی اور جو طیبات ہیں وہ حلال ہیں، یہ مراد ہے۔

اور جو اس کی ضد میں ہے یعنی جو مفہوم مخالفہ ہے اس میں منطقة الطيبات من الرزق ہیں تو اس کا مفہوم کیا ہے؟ جو خبائث میں رزق ہیں وہ بھی حرام ہیں یعنی، یہ رزق عام ہے جس سے مخلوق کے جسم جڑے ہوئے ہیں۔

جو مخلوق کے جسم کو فائدہ دیتا ہے اسے رزق عام کہتے ہیں اس میں حلال بھی شامل ہے حرام بھی شامل ہے، مسلمان، کافر، درندپرند سب شامل ہیں سب اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاتے ہیں، یہ رزق عام ہے۔

دوسری قسم کا رزق ہے "الرزق الخاص" اور یہ وہ رزق ہے جس سے دین قائم ہوتا ہے دین کے لیے نفع بخش ہوتا ہے علم نافع عمل صالح میں سے ہے اور جو رزق حلال ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں فرمانبرداری میں مددگار ثابت ہوتا ہے اس لیے آیت میں ﴿الرَّزَّاقُ﴾ کا لفظ ہے اور رازق نہیں فرمایا، فرق ہے دونوں میں رَازِق اور رَزَّاق میں۔ کیوں؟ الرزّاق صیغ المبالغہ ہے (کثرت سے رزق دینے والا) اور کثرت سے وہ ہیں جن کو رزق دیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کتنی ہے ہم گن سکتے ہیں؟! (سبحان اللہ)۔ کون رزق دے رہا ہے؟ تمام مخلوقات کو رزق دینے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رزق بھی کثرت سے ہے اور جس کو رزق اللہ تعالیٰ دے رہا ہے وہ بھی کثرت سے ہیں تو اس لیے فرمایا ﴿الرَّزَّاقُ﴾۔

اور جسے اللہ تعالیٰ رزق دے رہا ہے مخلوقات میں سے اُن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (سبحان اللہ) کیونکہ احصاء نہیں کر سکتے جنس کے اعتبار سے نہیں کر سکتے اُس کی قسم کا کیا کہنا! یعنی ایک جنس ہے ایک جنس کی بہت ساری قسمیں ہیں مختلف ہیں (سبحان اللہ)، اور پھر اُن قسموں کے بھی آحاد ہیں الگ سے (ان تمام کو اگر دیکھا جائے تو بہت زیادہ تعداد بنتی ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (ھود:6)، اور اللہ تعالیٰ جو ہے رزق دیتا ہے جتنی یعنی مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے "بحسب الحال"۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے تو کیا میں رزق کی طلب کے لیے سعی کروں یا اپنے گھر میں بیٹھا رہوں خود رزق میرے پاس آئے گا؟ ((بہت ہی زیادہ دینے والا ہے اللہ

تعالیٰ کا رزق بہت وسیع ہے رزاق ہے تو پھر کیا مجھے اس رزق کو پانے کے لیے گھر سے نکلنا ہے جدجہد کرنی ہے سعی کرنی ہے یا میں گھر میں بیٹھا رہوں رزق خود میرے پاس چل کر آئے گا؟))۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، تم اپنے رزق کی تلاش کے لیے سعی کرو گھر سے نکلو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے لیکن اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ کوئی عمل نہ کریں اور جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اس کے جو اسباب ہیں وہ حاصل نہ کریں، اللہ تعالیٰ غفور ہے رزاق بھی ہے جیسے مغفرت کے لیے اسباب ہیں حاصل کرنے کے لیے ویسے رزق کو بھی حاصل کرنے کے اسباب ہیں۔

اور شاعر کا یہ قول جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں:

جُنون مِنكَ أن تَسعى لِرِزقٍ ، ويُرزَقُ في غِشاوَتِه الجَنينُ

(یعنی یہ تو تمہارا پاگل پن ہے کہ تم رزق کی سعی کرتے ہو جبکہ ماں کے پیٹ کے پیٹ میں بچہ جو ہے اُسے رزق دیا جاتا ہے)

((تو شاعر صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں ضرورت نہیں ہے رزق کی تلاش کی وہ تمہیں پہنچ کر رہے گا جیسا کہ بچہ ماں کے پیٹ کے اندر کوئی سعی نہیں کرتا رزق اسے پہنچ جاتا ہے))۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں "فهذا القول باطل" یہ باطل قول ہے اس شاعر صاحب کا جو ہے اور جو اس نے دلیل پکڑی ہے ماں کے پیٹ کے اندر بچے کی (جنین کی) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے یا یہ کہا جائے گا کہ ماں کے پیٹ کے اندر جو بچہ ہے اس کے لیے طلب الرزق کا خطاب نہیں دیا جاتا کیونکہ وہ قادر ہی نہیں ہے اس پر قدرت ہی نہیں رکھتا وہ ماں کے پیٹ کے اندر عاجز ہے اور نہ اس کا کوئی راستہ ہے نہ کوئی ذریعہ ہے اس رزق کو حاصل کرنے کا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے رزق خود مہیا فرمایا ہے، اور اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ (الملک: 15)۔

تو اس آیت کریمہ میں ﴿فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ تو سعی کرنی ہے چلنا ہے زمین اللہ تعالیٰ نے ہموار بنائی ہے کشادہ ہمارے لیے کیا ہے۔ کس لیے کیا ہے؟ تاکہ ہم زمین پر چلیں اور رزق کو تلاش کریں، پھر فرمایا ﴿وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾، یعنی زمین کو ہموار بنانا اور پھر اسے وسیع بنانا اور اس میں رزق مہیا کرنا۔

تو ہمارے ذمے کیا کام ہے بیٹھے رہیں یا ﴿فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾؟ ﴿فَامْشُوا﴾ چلیں اور رزق کی تلاش کے لیے، پھر فرمایا ﴿وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ، "فلابد من سعي" تو سعی لازمی ہے اور یہ سعی جو ہے زرق کو حاصل کرنے کی یہ شریعت کے مطابق ہونی چاہیے رزق تو اللہ تعالیٰ دے گا۔

چور جب چوری کرتا ہے اسے کس نے رزق دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، ڈکیت ڈکیتی کرتا ہے اسے رزق اللہ تعالیٰ نے دیا ہے (سعی اُس کی ہے رزق اللہ تعالیٰ نے دیا ہے)، لیکن جو رزق حلال ہے وہ مطلب شرعی ہے شرعاً رزق حلال کی تلاش کرنی ہے۔ اگرچہ رزق حرام کی جو تلاش کرتے ہیں وہ بھی سعی کرتے ہیں۔ چور سعی نہیں کرتا؟! ڈکیت سعی نہیں کرتا؟! سعی وہ بھی کرتا ہے لیکن وہ حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔

﴿إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ : ﴿ذُو الْقُوَّةِ﴾: ذوالقوۃ جو ہے قوۃ کسے کہتے ہیں؟ معنی کیا ہے قوۃ کا یہ لفظ جو ہے جسے ہم پاور (Power) کہتے ہیں؟ تعریف بڑی پیاری تعریف ہے دیکھیں "قوۃ القدرۃ" اب اکثر لوگ اس میں غلطی کر جاتے ہیں آج کے درس میں ان شاءاللہ یہ بھی بیان کرتے ہیں۔

﴿ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ سورۃ الذاریات کی آیت میں "القوة: صفة يتمكن الفاعل بها من الفعل بدون ضعف"، الفاظ دیکھیں ذرا "القوة" کیا ہے؟ (صفۃ ہے جس کے ذریعے) "يتمكن الفاعل بها" (فاعل جو فعل کرنے والا ہے فعل کرتا ہے) "من الفعل بدون ضعف" (بغیر کمزوری کے)۔

جب آپ کوئی کام کرتے ہیں بغیر کمزوری کے یہ آپ کی طاقت کی صفت ہے قوۃ ہے، قوی وہ ہے جو بغیر کمزوری کے کوئی کام کرتا ہے، جو کمزور پڑ جاتا ہے وہ ضعیف ہے قوی نہیں ہے۔ تو قوۃ کی ضد کیا ہے؟ ضعف ہے۔ اسے سمجھیں ذرا کیونکہ آگے قدرۃ آنا ہے کہ قدرت اور قوت میں کیا فرق ہے۔

اس کی دلیل کیا ہے کہ قوۃ جو ہے وہ کوئی بھی عمل کوئی فعل کرے بغیر کمزوری کے بغیر ضعف کے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ إلى آخر الآية (اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے)۔ کس چیز سے پیدا کیا یا کس حالت میں؟ ﴿مِّنْ ضُعْفٍ﴾ (کمزور) ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ (پھر کمزوری کے بعد طاقت، پھر طاقت کے بعد پھر کمزوری اور بڑھاپا (سبحان اللہ)) (الروم: 54)۔

تو قوت کس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ کمزوری کے ساتھ (قوت کا تعلق کمزوری سے ہے)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اور قوت قدرت نہیں ہے دونوں میں فرق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ (فاطر:44)۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾، اور پہلے کیا فرمایا؟ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ﴾ الضعف نہیں یہاں پر عجز ہے۔

﴿مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ قویاً نہیں فرمایا قدیراً فرمایا ہے، تو جہاں پر قدیر ہے یا قادر ہے وہاں پر عجز کا امکان نہیں ہے۔

"فالقدر يقابلها العجز" "قدرت کے مقابلے میں عجز ہوتا ہے طاقت کی قوت کے مقابلے میں ضعف ہوتا ہے، یہ فرق جان لیں ذرا۔

"فالقدر يقابلها العجز، والقوة يقابلها الضعف، والفرق بينهما" فرق کیا ہے؟

1-"أن القدرة يوصف بها ذو الشعور، والقوة يوصف بها ذو الشعور وغيره" جو قدرت ہے یہ اس کا وصف ہے جس کو شعور ہوتا ہے یا ادراک ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں۔

زندہ چیز ہے اسے شعور ہوتا ہے ادراک ہوتا ہے اور جو طاقت اور قوت ہے وہ دونوں کے لیے ہے چاہے شعور والا ہو چاہے غیر شعور والا ہے (مثال آگے آئے گی)۔

لوہا قادر ہے یا قوی ہے؟ قادر کہتے ہیں؟ نہیں کہتے (آگے مثال آئے گی)۔

2-"ثانياً" دوسری بات کہ طاقت جو ہے قوۃ جو ہے وہ اُخص ہے "فكل قوي من ذي الشعور قادر" (ہر طاقتور قادر ہے) "وليس كل قادر قوياً" (اور ہر قادر قوی نہیں ہے) "مثال ذلك" (اس کی مثال دیکھیں) "تقول: الرِّيحُ قوية" (ہوا طاقتور ہے) "ولا تقول: قادرة" (یہ نہیں کہیں گے کہ ہوا جو ہے وہ قادر ہے) "وتقول: الحديدُ قوي" (کہتے ہیں لوہا جو ہے وہ قوی ہے) "ولا تقول: قادر" (اور یہ نہیں کہیں گے کہ قادر ہے) "لكن ذو الشعور تقول: إنه قوي، وإنه قادر" (اور شعور جو ہے جس کو شعور ہوتا ہے یا ادراک ہوتا ہے اس کو دونوں کہتے ہیں قوی بھی کہتے ہیں اور قادر بھی کہتے ہیں)۔

اب اس کی دلیل دیکھیں عاد کے تعلق سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (فصلت:15)۔

عاد قوم ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾(ہم سے بڑا طاقتور کون ہے)"قال الله تعالى"﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ (کیا یہ نہیں دیکھتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہی ان سے زیادہ طاقتور ہے)۔

تو یہ قوت اور قدرت میں جو عام فرق ہے وہ یہ ہے۔

پھر فرمایا﴿الْمَتِيْنُ﴾کا لفظ جو ہے،المتین کے تعلق سے سیدنا عبداللہ بن عباس(رضی اللہ عنہما)فرماتے ہیں"الشديد"، "أي الشديد في قوته"(بہت ہی زیادہ طاقتور)۔ایک القوی ہے ایک المتین ہے،المتین میں طاقت کا معنی ہے لیکن بہت ہی شدت کے ساتھ۔

"والشديد في عزته، الشديد في جميع صفات الجبروت، وهو من حيث المعنى توكيد للقوي"،لفظ متین کا قوی سے الگ ہے لیکن جو معنی ہے وہ اس سے زیادہ طاقتور ہے "سب سے زیادہ"یعنی متین میں طاقت کا معنی بھی ہے اور بہت ہی شدید بہت ہی زیادہ طاقت کا معنی موجود ہے تو معنی کے اعتبار سے یہ تاکید ہے یا تو کید ہے معنوی لفظ دوسرا ہے۔

اور لفظ کے اعتبار سے شیخ صاحب فرماتے ہیں"الشديد في عزته"ہر اعتبار سے جو طاقتور ہے اور عزت والا ہے اور عزت میں طاقتور ہے اور"في جميع صفات الجبروت"جتنی بھی صفات جبروت ہیں(قہار ہے،جبار ہے،ذوالجلال والاکرام جتنی بھی یعنی تعظیم جبروت کی صفات ہیں)تمام میں اللہ تعالیٰ جو ہے متین ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ ہم خبر کے اعتبار سے کہیں کہ اللہ شدید ہے لیکن نام نہیں رکھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ شدید ہے۔نام کیا ہے؟المتین۔متین کہیں گے کیونکہ متین کی دلیل ہے جبکہ متین کا معنی شدت کا معنی موجود ہے لیکن شدید نام نہیں ہو سکتا،خبر کے اعتبار سے کیونکہ متین کے معنی میں شدت اور بہت ہی طاقت کا معنی موجود ہے،تو خبر کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے لیکن اسماء وصفات کے باب میں الشدید نہیں کہا جا سکتا(یعنی متین کے معنی میں شدید متین کے معنی کے اندر شامل ہے لیکن نام نہیں رکھ سکتے اللہ تعالیٰ کا "الشديد")۔

سوال:یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شدید ہے؟

جواب:ہاں!کس اعتبار سے؟صفت کے اعتبار سے۔"المتين"،متین کے معنی میں قوت کی شدت پائی جاتی ہے۔

سوال: اگر یہ جملہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ شدید ہے؟

جواب: ہاں! کس اعتبار سے؟ خبر کے اعتبار سے، تاکہ سننے والا یہ نہ سمجھے کہ آپ اسماء وصفات کی بات کر رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے (اس اعتبار سے)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں: **الرزاق** اور **المتین**، اور تین صفات ہیں "وهي الرزق، والقوة، وما تضمنه اسم المتين" ((دیکھیں شدید نہیں فرمایا) اس متین میں جو بھی معنی موجود ہے وہ صفت بھی اس میں شامل ہے)۔

اور جو مسلکی فائدہ ہے (دینی شرعی مسلکی فائدہ) کیا ملتا ہے ہمیں یہ جان کر یا ان صفات کو جان کر؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں صفۃ القوۃ والقدرۃ کے تعلق سے کہ جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے قوی اور متین ہے یہ جو پیاری صفات ہیں یہ پیارے نام اور صفات الکمال ہیں سب سے پہلی بات یہ ہے جو ہمیں فائدہ ہوتا ہے مسلکی فائدہ اور دینی فائدہ ملتا ہے کہ ہم رزق اور طاقت صرف اللہ ہی سے مانگیں گے کسی اور سے نہیں اور ہمارا یہ یقینی ایمان ہے کہ جو بھی طاقت جتنی بڑی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جب ہم کہیں گے ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ﴾ تو دل میں سکون پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا ہے رزق ہمیں دینے کا تو وہ صرف سبب ہے اصل رزاق اللہ تعالیٰ ہے یہ نہیں ہے، اور کوئی بھی طاقتور ہے اگر دنیا میں کسی بھی اعتبار سے (اس کے جسم کی طاقت ہے، مال کی طاقت ہے، اقتدار کی طاقت ہے) تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا طاقتور ہے کسی کی طاقت کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔

اور اس لیے مومن کا ایمان کیا ہوتا ہے؟ مزید اضافہ بھی ہوتا ہے اور مضبوط بھی ہوتا ہے۔

سوال: اس کا مطلب قوت اور عزت میں شدید؟

جواب: وہی عزت بھی "بعزتہ"، قوت میں عزت میں اور جبروت کی جتنی بھی صفات ہیں تمام شدید ہیں، کیونکہ عزت والا غالب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غالب ہو نہیں سکتا۔ اس لیے یہ تمام الفاظ جو ہیں عظمت کے اور جبروت کے ان تمام میں اللہ تعالیٰ المتین ہے۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقوله: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:11)۔

اب دو اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نام اور صفات الکمال السمیع اور البصیر کے تعلق سے شیخ الاسلام (رحمہ اللہ) نے یہ دلیل بیان کی ہے، شرح میں فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو مصنف نے اللہ تعالیٰ کے دو ناموں کو ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل بیان کیا ہے اور جو ان دو آیتوں میں صفات ہیں ان کو بھی بیان کیا ہے، اور یہ دو نام ہیں السمیع اور البصیر اور اس میں رَد ہے اہل التعطیل کا اس آیت میں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام ثابت ہیں، ان میں جو دو صفات ہیں السمع اور البصر یہ بھی ثابت ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ جو اہل التعطیل ہیں جو انکار کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا چاہے کُلی طور پر یا جُزوی طور پر اُن کا بھی رَد ہے، آیئے دیکھتے ہیں کیسے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ یہ نفی ہے اور یہ صفات منفیۃ یا سلبیۃ میں سے ہے۔ اور اس کا مقصود کیا ہوتا ہے پہلے بھی بیان کر چکے ہیں؟ اس سے مراد "إثبات كماله"، اثبات الکمال یعنی جو اس کی ضد ہے اس کو ثابت کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا اتنا عظیم کمال ہے کہ اس کی مثلیت مخلوقات میں سے ہو ہی نہیں سکتی اور اس جملے میں اہل التمثیل کا رَد ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾۔

((اہل التمثیل جو مثلیت بیان کرتے ہیں اُن کا رَد ہے، ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اہل التعطیل کا رَد ہے (سبحان اللہ))۔

﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾: ﴿السَّمِيعُ﴾ اس کے دو معنی ہیں (اب دیکھیں السمیع البصیر کا معنی کیا ہے):

1-ایک ہے "بمعنى المجيب" دعا کی استجابت کرنے والا "السمیع"۔

2-اور دوسرا ہے "بمعنى السامع للصوت" یعنی جو آوازوں کا سنتا ہے۔

ایک ہے دعا کی قبولیت کا کہ اللہ نے سن لیا دعا قبول کر لی، دوسرا ہے جو آوازوں کو سنتا ہے "السمیع" دونوں میں فرق واضح ہے کہ نہیں؟

جو پہلا معنی ہے ''السميع بمعنى المجيب''اس کی مثال اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے ﴿إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾(بے شک میرا ربّ دعا کو سننے والا ہے)إلى آخر الآية(ابراہیم:39)، ''أي: لمجيب الدعاء''۔

اور جب ہم نماز میں کہتے ہیں ''سمِعَ اللهُ لِمَن حمِدَه''یہ کیا ہے؟المجیب۔"سمع"یعنی ایک تو سننا ہے جو آواز کا سننا ہے وہ تو ہے اس کے ساتھ یہ معنی بھی ہے کہ جب ہم دعا کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور سننے کا مطلب استجابت بھی ہے دعا کی استجابت جو ہے۔

جو دوسرا معنی ہے السمیع کا''إدراك الصوت''یعنی آواز کو سننا،تو اس کی تین قسمیں ہیں:

1-پہلی قسم ہے''عموم إدراك''(عام سننا جو ہے)،یعنی کوئی بھی ایسی آواز نہیں مگر اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔

تمام آوازیں،درند کی ہیں پرند کی ہیں،جو سمندر کی تہہ میں ہیں ، کہیں پر بھی کوئی بھی آواز جو پتے کی حرکت بھی ہوتی ہے کسی ٹہنی کی تھوڑی سی بھی آواز ہوتی ہے جو مخلوق نہیں سن سکتی یا جو سن سکتا ہے تمام اللہ تعالیٰ سنتا ہے السمیع ہے صفت المبالغہ سمع سے۔

2-دوسرا معنی ہے''سمع يراد به النصر والتأييد''(نصر اور تائید ہے)۔

3-تیسرا ہے ''سمع يراد به الوعيد والتهديد''(وعید بمعنی سمع ہے)۔

تائید اور نصرت بھی سمع کے معنی میں ہے اور عام آوازوں کو سننا بھی تمام آوازوں کو سننا بھی تینوں جو ہیں سمع کے معنی میں سننے کے معنی میں ہیں،اب ان کی مثال اور دلیل دیکھیں:

1-جو پہلا معنی ہے کہ تمام آوازیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ﴾إلى آخر الآية(المجادلہ:1)۔

تو اس میں بیان ہے اللہ تعالیٰ کے سمع کے احاطے کا کہ تمام آوازوں کو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں''الحمد لله الذي وسع سمعه الأصوات، والله إني لفي الحجرة، وإن حديثها ليخفى على بعضه''(سبحان اللہ)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کہ میں اسی کمرے میں تھی اسی حجرے میں جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے وہ بڑھیا آئی اپنی شکایت لے کر، فرماتی ہیں "الحمد لله" (اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے) "الذي وسع سمعه الأصوات" (کہ وسیع اللہ تعالیٰ کی صفت السمع ہے آوازوں کو سننے کی) "والله إني لفي الحجرة" (اللہ تعالیٰ کی قسم میں اسی کمرے میں تھی) "وإن حديثها ليخفى على بعضه" (اور اس عورت کی بعض باتیں میں نہیں سن سکتی تھی)۔ اُسی کمرے میں، اور اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان سے عرش سے بھی اوپر اس کی بات کو سن لیا اور اس کا جواب بھی آگیا قرآن مجید میں (سبحان اللہ)۔

تو اس سے کیا مراد ہے سمع سے؟ ﴿سَمِعَ اللّٰهُ﴾ یعنی آوازوں کا سننا تمام۔

2- دوسری کی مثال نصرت اور تائید کی جو مثال ہے اور دلیل جو ہے "كما في قوله تعالى لموسى وهارون عليهم الصلاة والسلام" دونوں کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ (طہ:46)۔

﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ﴾ (میں تمہارے ساتھ ہوں) ﴿اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ (سنتا بھی ہوں دیکھتا بھی ہوں)۔

سننے سے کیا مراد ہے کوئی دعا تو نہیں کی کہ ہم کہیں استجابت ہے؟ کوئی بات انہوں نے کی نہیں کہ مطلب ہو اللہ تعالیٰ آواز سنتا ہے؟ اور خاص مشن پر جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہ فرعون کی طرف جانا ہے اور وہ بہت ہی اپنے وقت کا سب سے بدترین قسم کا ظالم شخص ہے۔

میں تمہارے ساتھ ہوں میں سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں اس سے کیا مراد ہے سمع سے اور دیکھنے سے؟ النصر والتائید۔ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری نصرت بھی کروں گا مدد بھی کروں گا یعنی وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔

3- تیسرا معنی جو ہے "يراد به الوعيد والتهديد" اس کی مثال اور دلیل جو ہے "الذي يراد به التهديد والوعيد: قوله تعالى" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ (الزخرف:80)۔ ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ﴾ (کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے جو یہ چھپاتے ہیں یا جو سرگوشیاں کرتے ہیں) ﴿بَلٰى﴾ (بے شک (یعنی ہم سنتے ہیں)) ﴿وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ (اور ہمارے جو رسول ہیں وہ اُن کے ہاں لکھتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں جو کچھ وہ دیتے ہیں)۔

''فإن هذا يراد به تهديدهم ووعيدهم''(تو اس سے تہدید اور وعید مراد ہے)(یعنی اُن کی پکڑ ہو گی جیسے ہم کہتے ہیں ڈانٹ ڈپٹ کے لیے))''حيث كانوا يسرون ما لا يرضى من القول''(کیونکہ یہ وہ چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا)۔

اور اب ان قسموں کی مزید تفصیل میں شیخ صاحب فرماتے ہیں(شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)''والسمع بمعنى إدراك المسموع من الصفات الذاتية''ادراک المسموع جو ہے آوازوں کا سننا جو ہے صفات ذاتیہ ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے اگرچہ جو مسموع ہے جو آواز ہے وہ کبھی بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سننے والا ہے یہ نہیں کہ کوئی بولے گا پھر اللہ تعالیٰ سنے گا ورنہ نہیں سنے گا جیسے اہل التعطیل کہتے ہیں، نہیں! اللہ تعالیٰ ہمیشہ سنتا ہے چاہے کوئی بولے یا نہ بولے۔

دوسرا ہے ''النصر والتأييد من الصفات الفعلية''کیونکہ اس کا سبب ہے۔ نصر اور تائید کب ہوتی ہے؟ جب اس کی ضرورت ہوتی ہے، سبب ہوتا ہے تب ہوتی ہے۔

صفات ذاتیہ اور فعلیہ میں کیا فرق ہے؟ یہی تو فرق ہے کہ صفات فعلیہ جو ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہے کرتا ہے، صفات ذاتیہ ہمیشہ بغیر سبب کے بغیر چاہت کے۔

اور جو ''بمعنى الإجابة'' یہ بھی دعا ہو گی، سبب ہے اللہ تعالیٰ چاہے گا تو استجابت ہو گی۔ تو جو استجابت والی سمع ہے یہ کون سی ہے؟ صفات فعلیہ ہے۔

((تو یہ سمع کے تعلق سے ہے))۔

﴿الْبَصِيْرُ﴾ کا معنی ہے کہ جو تمام چیزوں کو دیکھنے والا ہے ''المدرك لجميع المبصرات''،اور بصیر بمعنی العلیم بھی ہے(خوب جاننے والا)، تو اللہ تعالیٰ بصیر ہے تمام چیزوں کو دیکھنے والا ہے اگرچہ بہت ہی باریک ہی کیوں نہ ہو یا خفی کیوں نہ ہو۔

اور بصیر بمعنی ''عليم بأفعال عباده''جو اپنے بندوں کے عملوں کو خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(الحجرات:18)۔اور ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے)، یعنی وہ خوب جانتا بھی ہے۔ اور جو ہم کرتے ہیں بعض ایسا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور بعض ایسا ہے جو دکھائی نہیں دیتا ہے تو بصیر سے کیا مراد یہاں پر؟ دونوں معنی ہیں، دیکھنے والا اور خوب جاننے والا۔

ہمارے عمل میں جو نظر آتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے جو نظر نہیں آتا ہم تو نہیں دیکھ رہے ایسے اعمال تو وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

تو جو اللہ تعالیٰ کا بصر ہے اس کی دو قسمیں ہیں اور دونوں جو ہیں اس ایک لفظ میں داخل ہیں ﴿الْبَصِيْرُ﴾ کے لفظ میں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو نام جو ہیں "السمیع البصیر" کا ثبوت ملتا ہے اور تین صفات ہیں جو صفات الکمال ہیں، یعنی "كمال صفاته من نفي المماثلة"، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ﴾ میں صفات الکمال کا ثبوت ملتا ہے (تمام صفات الکمال جو ہیں) بغیر مماثلت کے اور صفت السمع اور صفت البصر، یہ تین صفات ہیں۔

اور جو فوائد مسلکیۃ ہیں، جو مسلکی اور دینی فوائد ہمیں ملتے ہیں سب سے پہلے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو مخلوقات کے ساتھ مثلیت ہے اس سے رُک جانا ہے فوراً کیونکہ بہت بڑی مصیبت ہے، جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں کا انکار کیا ہے تو سب سے پہلے اپنے ذہن میں اس نے یہ غلطی کی ہے مثلیت اس نے ذہن میں بنائی ہے کہ مخلوق کی خالق سے یا خالق کی مخلوق سے مشابہت ہوتی ہے اس لیے انکار ہی کر دیتے ہیں۔

تو سب سے پہلے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ﴾ بات ہی ختم ہو گئی ہے مثلیت کا امکان ہی نہیں ہے تصور ہی نہیں کیا جا سکتا! اگر آپ اس کا اچھی طرح سمجھ لیں گے اور مثلیت کرنے سے رُک جائیں گے تشبیہ سے رُک جائیں گے تو کبھی بھی آپ نہ انکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی مثلیت بیان کر سکتے ہیں کیونکہ جس نے بھی انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں "ہم تو معطلۃ ہیں ہم مشبہۃ تو نہیں ہیں یا ممثلۃ تو نہیں ہیں"۔ تو سچ یہ ہے کہ پہلے تمہارے ذہن میں تمثیل آئی ہے پھر تم لوگوں نے انکار کیا ہے اگر تمثیل نہ آتی تو انکار کرتے نہ۔

کیونکہ اُن کا سب سے بڑا کیا آرگیومنٹ (Argument) ہے وہ کیا عذر پیش کرتے ہیں؟ یہی کہتے ہیں کہ "خالق مخلوق سے جو ہے تشبیہ لازم آتی ہے"۔ وہ تمہارے گندے ذہنوں میں لازم آتی ہے! کہاں لازم آتی ہے؟! لازم تو نہیں آتی۔

توسب سے پہلا فائدہ ہمیں ملتا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ کی آیت میں کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی جو تمثیل ہے اسماء وصفات کے باب میں اس سے رُک جانا ہے چھوڑ دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت کو ثابت کرنا ہے اور اس کو دل سے اس کے یقین کے ساتھ مان لینا ہے۔

اور خبردار رہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کہیں نافرمانی کرتے ہوئے دیکھے یا سنے اور وہ جو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہیں وہ بات نہ سن لے یا کہیں وہ بات کوئی عمل آپ کا نہ دیکھ لے۔

تو جب انسان کو یہ یقین ہو جاتا ہے مسلمان کو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے اور اس جیسا کوئی بھی نہیں ہے، جب بھی کوئی غلط بات کہنے کی طرف تھوڑا سوچے گا تو پہلے السمیع (خوب سننے والا ہے)، اس کے ساتھ ساتھ جب کوئی دعا کرتا ہے اس کی استجابت کا بھی یقین ہوتا ہے جب اسباب پر عمل کیا جاتا ہے، جب انسان اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بے یار و مددگار بڑی مشقت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے تو السمیع بمعنی "النصر والتأييد" جو خوب مدد کرنے والا ہے اپنے پیاروں کی تو اس سے بھی ایمان مضبوط ہوتا ہے تو یہ سارے معنی اس میں شامل ہیں۔

اب مسئلہ آتا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾: ﴿كَمِثْلِهِ﴾ کے لفظ میں علماء کے کیا اقوال ہیں دیکھتے ہیں اس کا کیا معنی ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں "واعلم أن النحاة خاضوا خوضاً كثيراً في قوله: ﴿كَمِثْلِهِ﴾"۔ نحاۃ کون ہیں؟ علم نحو والے، عربی گرامر کے جو علماء ہیں انہوں نے بہت ہی زیادہ اس پر باتیں کی ہیں اس لفظ ﴿كَمِثْلِهِ﴾ پر، تو ان میں سے کسی نے کہا "الكاف داخلة على (المثل)" کہ کاف حرف جو ہے وہ مثل پر داخل ہے ﴿كَمِثْلِهِ﴾، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مثل ہے جس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

سمجھیں ذرا "ليس مثل الله" (اللہ کے مثل کوئی نہیں ہے (کاف کے بغیر))، لیکن جب کاف آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مثل کا کمثل کوئی نہیں ہے یعنی ایک مثل تو ہے جس کی کوئی مثال اور نہیں ہے (سمجھ آرہی ہے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں اس کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کمثل جس کی کوئی مثل نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں فرمایا "ليس كهو" بلکہ مثل کی نفی ہے ھو کی نفی نہیں ہے اس کی نفی نہیں ہے اس کے مثل کی نفی ہے معنی یہ ہے۔

"بل قال: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ﴾ ، فهذا ظاهر الآية من حيث اللفظ لا من حيث المعنى" لفظ کے ظاہر سے نا کہ معنی کے۔ کیوں؟ کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس کا ظاہر "من حيث المعنى" بھی یہی ہے "لكان ظاهر القرآن كفراً" تو ظاہر کفر ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ایک مثل تو ہے جس کی کوئی مثل نہیں ہے تو ظاہر کفر ہے اور یہ ناممکن ہے قرآن مجید میں "وهذا مستحيل" ناممکن ہے!

تب اگر ایسی بات ہے تو معنی کیا ہے اس کا؟ ظاہر سے تو یہی لگتا ہے، ظاہر کو دیکھ کر معنی کو نہیں کیونکہ معنی تو پھر کفر لازم آتا ہے۔ تو ظاہر یہ ہے کہ نفی کس چیز کی کی جارہی ہے؟ مثل کی نفی کی جارہی ہے۔ تو پھر اس کا اصل معنی کیا ہے اور علماء کے اس میں کیا اقوال ہیں:

1-تو پہلا قول جو ہے یہ ہے کہ "الكاف زائدة" (کاف حرف زائد ہے) "وأن تقدير الكلام: ليس مثله شيء" (کاف کو نکال دیں کیونکہ زیادہ ہے اور جو حرف زیادہ اس لیے بیان ہوتا ہے تائید کے لیے تاکید کے لیے کہ معنی کی تاکید کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل تاکید کے ساتھ بیان ہو رہی ہے کہ مثل کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کی تاکید بھی کی ایک حرف حرف الکاف سے) "وهذا القول مريح"، اور اس قول سے یعنی راحت ملتی ہے اور جو اشکال تھا وہ بھی ختم ہو گیا جس معنی میں کفر ہے جو ظاہر نہیں ہے مطلب لفظ کے ظاہر میں ہے معنی میں نہیں تو اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے، اور حرف کا زیادہ ہونا قرآن مجید میں نفی میں بہت زیادہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ﴾ إلى آخر الآية (فاطر:11)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ﴾ تو ﴿مِنْ﴾ کیا ہے؟ زیادہ ہے۔ "وَمَا تَحْمِلُ أُنْثَى" ہے اصل میں حمل تو عورتوں کے ہوتا ہے نا مادہ کے ہوتا ہے نا۔ ﴿مِنْ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تاکید ہے۔ تو ہے حرف زائد (زیادہ ہے) تو یہ کہتے ہیں "إن زيادة الحروف في اللغة العربية للتوكيد أمر مطرد" یہ بہت ہی زیادہ ہے تاکید کے لیے۔

"والقول الثاني" (دوسرا قول) "قالوا العكس" (اس کے برعکس ہے (دوسرا قول ہے))، وہ کہتے ہیں کہ جو زیادہ ہے وہ کاف نہیں "مثل" زیادہ ہے۔

کاف حرف مثل اسم ہے پہلا قول کیا تھا؟ کاف زیادہ ہے اور قرآن مجید میں عربی زبان میں بھی حرف زیادہ ہو جاتا ہے۔

2-دوسرا قول اس کے برعکس ہے بعض علمائے نحو جو ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں، کاف ٹھیک ہے لیکن "مثل" زیادہ ہے۔

اوراصل بات یہ ہے "ليس كهو شيء" یہ ہوناچاہیے تھا، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ﴾ "ليس كهو شيء"، لیکن یہ ضعیف ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے) کیونکہ اسماء میں عربی زبان میں جو نام کا زیادہ ہونا ہے وہ بہت ہی قلیل اور نادر ہے شاذ ونادر کہیں پر بیان ہوتا ہے حروف کے برخلاف، اگر ہمیں زیادہ کی بات ہی کرنی ہے اگر یہ قول جو ہے زیادہ ہے یا حرف یا اسم تو پھر حرف ہی زیادہ کرلیں جو زیادہ معروف ہے عربی لغت میں اور جو غیر معروف نہیں ہے اس بیچ میں لانے کی ضرورت کیا ہے، تو یہ قول جو ہے یعنی ضعیف قول ہے

3-تیسرا قول جو ہے "(مثل) بمعنى: صفة" یعنی "ليس كصفته شيء" (مثل معنی صفۃ ہے اللہ کی صفت جیسا کوئی نہیں ہے) "وقالوا: إن المِثل والمَثَل والشِّبه والشَّبه" (یہ الفاظ جو ہیں "المِثل ، المَثَل، الشِّبه ،الشَّبه" جو ہیں عربی زبان میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ﴾ إلى آخر الآية (محمد:15)۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ﴾ کیا ہے جنت کی کوئی اور مثال ہے؟ یعنی "صفة الجنة"۔ اصل بات ہے کہ جنت کی صفت بیان ہو رہی ہے نا جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا، تو جنت کی مثل تو کوئی نہیں ہے دو جنتیں تو ہیں نہیں جنت تو ایک ہی ہے اور اس میں بہت ساری جنتیں ہیں۔

تو ﴿مَثَلُ﴾ سے مراد مِثل نہیں ہے "کے جیسا" بلکہ مَثَل سے مراد کیا ہے؟ صفت ہے یعنی جنت کی صفت، وہ جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا، اور یہ بات جو ہے صواب سے بعید نہیں ہے (یہ معنی صحیح ہے یعنی یہ بھی صحیح میں سے ہے صواب سے بعید نہیں ہے)۔

4-چوتھا قول دیکھیں "أنه ليس في الآية زيادة" (آیت میں زیادہ ہے نہیں کوئی چیز (نہ کاف ہے نہ مِثل ہے کچھ زیادہ نہیں ہے))، لیکن اگر ہم یہ کہتے ہیں "لكن إذا قلت: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾، لزم من ذلك نفي المثل" (تو اس سے مِثل کی نفی لازم آتی ہے) "وإذا كان ليس للمثل مثل" (اور اگر مثل کے کوئی مثل ہی نہیں ہے) "صار الموجود واحداً" (تو موجود صرف ایک ہی باقی رہتا ہے)، تو اس کی بنیاد پر کسی چیز کی تقدیر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اور کہتے ہیں کہ عربی زبان میں یہ بات ملی ہے (یعنی واضح ہے یہ) عربی زبان میں یہ کہا جاتا ہے جیسا کہ کوئی کہے "لیس کمثل الفتی زهیر" ایک بچہ ہے اس کا نام زہیر ہے کہتا ہے "لیس" (نہیں ہے) "کمثل الفتی زهیر" (زہیر جیسا کوئی نہیں ہے)، لیکن اُس کو کمثل کے لفظ سے بھی کہا گیا ہے۔ جب اس کے مثل کوئی نہیں ہے تو مطلب وہ اکیلا ہے کہ نہیں؟ جب مثل کی نفی کر دیتے ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہے اس کی مثل کی نفی ہے اس کی مثل کوئی نہیں ہے ۔جب اس کے مثل ہی کوئی نہیں ہے تو باقی اللہ ایک ہی رہتا ہے کہ نہیں؟

سوال: مثال کی مثال بھی نہیں؟

جواب: مثال کی مثال بھی نہیں یہ بات ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) اب اس کا لب لباب کیا ہے، فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ جتنی باتیں ہوئی ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو آیت کا معنی بالکل واضح ہے (اگر اہل النحو جو ہیں یہ باتیں نہ کرتے زیادہ تو آیت کا معنی بالکل واضح ہے) معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل ہے ہی نہیں "لیس له مثیل" بات واضح ہے، لیکن جب یہ باتیں آئی ہیں کتابوں میں تو راجح یہ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ کاف جو ہے وہ حرف زائد ہے لیکن جو آخری معنی ہے اگر اس کو تصور جو کر سکتا ہے وہ سب سے اچھا ہے اُجود ہے۔ کون سا؟ آخری والا کہ اللہ تعالیٰ کی مثال کی نفی ہو جاتی ہے تو پھر ایک اللہ تعالیٰ رہ جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی نہیں ہے۔

اور جو میں نے رمضان القرآن کے درس میں بیان کیا تھا ایک دفعہ وہ سن لیں ایک جملہ ہے بڑا پیارا جملہ ہے بلاغت کے اعتبار سے اس سے اچھا جملہ ہو ہی نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کی مثلیت کی نفی کرنے میں (عربی گرامر کے اعتبار سے میں بتا رہا ہوں) بلاغت کی اہل نحو نے تو کر دی۔ علم نحو اور ہے علم بلاغۃ اور ہے، علم نحو نے تو کہہ دیا علم نحو نے کہا (کسی نے کہا) کہ حرف کاف زائد ہے، کسی نے کہا مثل زائد ہے، اور اس کا خلاصہ جو ہم جان چکے ہیں کہ حرف اگر زیادہ کرنا ہے تو مثل اسم نہ کریں کاف ہی رہنے دیں حرف جو ہے کیونکہ عربی زبان میں یہ زیادہ ہے، اور مثل صفت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ﴾ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جیسی کسی کی صفت نہیں ہے (یہ بھی معنی ہے)، اور

چوتھا معنی جو شیخ صاحب فرماتے ہیں جس کی سمجھ میں اگر آجاتا ہے تو واضح ہے کہ جب مثل کی آپ نفی کر دیتے ہیں تو سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اسماء وصفات باقی رہ جاتے ہیں۔

اور بلاغت والے کہتے ہیں کہ جو تشبیہ ہے یا مثلیت بیان کرنی ہے اس کے چار ارکان ہیں اور تین درجات ہیں (یاد ہو گا آپ کو ایک دفعہ سن لیں)، جو درجات ہیں جب آپ تشبیہ دینا چاہتے ہیں، یعنی ارکان چار ہیں: (۱) جس کی آپ تشبیہ دے رہے ہیں۔ (۲) جس سے آپ تشبیہ دے رہے ہیں۔ (۳) پھر حرف ہوتا ہے۔ (۴) پھر سبب ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ کہتے ہیں فلاں شیر ہے، فلاں شیر جیسا ہے، فلاں شیر کے جیسے کا جیسا ہے، سب سے زیادہ قوی تشبیہ کس نے دی پہلے والے نے یا آخری والے نے؟ پہلے والے نے تو شیر ہی بنا دیا کہ فلاں شیر ہے "هو أسدٌ"۔ جو تیسرا ہے "شیر کے جیسے کا جیسا" یعنی کچھ صفات ہیں بہادر ہو گا لیکن ڈرپوک بھی ہو گا، بہادر ہو گا لیکن کسی اور صفت میں کہیں پر کمزوری ہو گی، لیکن جیسے پہلے نے کہا کہ وہ ہے ہی شیر تو جتنی بھی صفات ہیں شیر کی وہ سب اُس میں موجود ہیں۔

اور لڑکی کے بارے میں قمر (چاند) ہے، فلاں لڑکی چاند ہے، چاند جیسے ہے، چاند کے جیسی کے جیسی ہے مختلف یعنی عربی میں کیا کہتے ہیں ہم؟

"فلان أسدٌ ، فلان كالأسدِ"، یا "مثل الأسدِ، فلان كمثل الأسد" اب کتنے درجات ہیں؟ مختلف ہیں نا۔

تشبیہ بتا رہا ہوں عربی زبان میں کہ سب سے زیادہ قوی جو بغیر حرف کے ہوتی ہے، بغیر حرف بغیر اسم کے کیونکہ تشبیہ کا حرف بھی ہے اسم بھی ہے فعل بھی ہے۔ کاف حرف ہے (مثل اسم ہے، یماثل وغیرہ فعل ہے)۔ تو جو بغیر حرف بغیر کسی اعداد کے ہو تو سب سے زیادہ قوی تشبیہ ہے، حرف والی اُس سے کم، حرف اور اسم والی دونوں اُس سے کم۔ جیسے " فلان كمثل الأسد" کم تشبیہ ہے کہ نہیں؟

جب آپ نفی کر دیتے ہیں (الٹا دیکھیں آپ) سب سے زیادہ تشبیہ کی نفی کس جملے میں ہے؟ آخری والے میں ہے، یعنی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ دور سے بھی کوئی شیر لگتا ہو، یا دور سے بھی کوئی چاند کا ٹکڑا لگتی ہو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے تو کس تشبیہ کی نفی کی ہے؟ آخری والے کی کہ سول ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی مثلیت مخلوق میں سے کوئی ہو سکے۔

((ایک دفعہ سن لینا درس قرآن اور رمضان میں))۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) "وقوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِۦٓ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا﴾ (النساء: 58)۔ اور اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے یہ جو دو پیارے نام ہیں "سمیع اور بصیر" کا ثبوت ملتا ہے اور ان دونوں صفات کمال جو ہیں صفت السمع اور البصر کا بھی ثبوت ملتا ہے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت جو ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ النساء آیت نمبر 58 میں ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ إلى آخر الآية۔

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ امانتیں جو ہیں وہ ان کے اہل تک پہنچانی ہیں (جن کی امانتیں ہیں اُن تک پہنچانی ہیں) اور اس میں سے جو گواہی ہے انسان کے لیے یا اُس پر اُس کا بھی حکم ہے اور جب بھی کوئی فیصلہ کرنا ہو لوگوں کے بیچ میں جو عدل وانصاف کی اساس پر فیصلہ کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "بالقيام بالواجب في طريق الحكم وفي الحكم نفسه" جو واجب ہے ہمارے اوپر اسی پر عمل کرنا ہے جب کوئی فیصلہ کرنا ہو، اور گواہی کا جو حکم ہے تو اس عموم میں شامل ہے ﴿أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا﴾، اور حکم کے تعلق سے ﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾، پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِۦٓ﴾، اس کی اصل یہ ہے "نعم ما" لیکن اسے میم کے ساتھ اس کا اِدغام کر دیا گیا ہے اسے اِدغام الکبیر کہتے ہیں اور اِدغام دو جنسوں کے بیچ میں نہیں ہوتا ہے اِلا کہ پہلا ساکن کر دیا جاتا ہے اور اس میں جو اِدغام ہے پہلے میں مفتوح ہے ﴿نِعِمَّا﴾۔

﴿نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِۦٓ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس میں دو چیزیں بیان کی ہیں "أداء الأمانة والحكم بالعدل" امانت کا حکم بھی ہے اور عدل وانصاف پر فیصلہ بھی ہے، اور یہ موعظۃ ہے کیونکہ اس سے دل کی اصلاح ہوتی ہے اور جس چیز سے دل کی اصلاح ہوتی ہے اسے موعظۃ کہتے ہیں (جو باتیں دل پر اثر کرتی ہیں اور دل اس سے سدھر جاتا ہے درست ہو جاتا ہے اس میں جو کمی ہے وہ ٹھیک ہو جاتی ہے تو اس کا اثر پورے جسم پر ہوتا ہے تو وہ چیزیں جو دل کو نرم کریں وہ چیزیں جو دل پر بااثر ہوں اسے موعظۃ کہتے ہیں)، اور ان چیزوں پر عمل کرنا جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس سے دل جڑ جاتے ہیں (یعنی دل کے اندر جو کمی وبیشی ہے وہ درست ہو جاتی ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ یہ شاہد ہے: ﴿كَانَ﴾ سے مراد یہ فعل ہے جس میں زمن جو ہے وقت کو سلب کر دیا گیا ہے ("كَانَ" میں وقت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ہمیشگی کا معنی ہوتا ہے) اور اس میں وصف کی دلالت ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سمع اور بصر سے متصف ہے ہمیشہ کے لیے۔

ہم کیوں کہتے ہیں کہ اس سے زمانے کو یا وقت کو سلب کر دیا ہے ﴿كَانَ﴾ کے فعل میں؟ کیونکہ اگر ہم کہیں ﴿كَانَ﴾ فعل ماضی ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے کسی زمانے میں سنتا بھی تھا دیکھتا بھی تھا اس کے بعد پھر نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ تو عربی زبان کے اعتبار سے بھی "كَانَ" جو ہے یہ فعل ناقص ہے آپ جانتے ہیں اس کا اسم جو ہوتا ہے اور اس کی خبر بھی ہوتی ہے "كَانَ" کی۔

باقی جو ہے "أضحى، أصبح" یہ بھی كَانَ کے أخوات میں سے ہے: "أصبح" (صبح کے وقت) "أضحى" (ضحی کے وقت) "أمسى" (شام کے وقت)، "كَانَ" میں وقت کا ہے ہی نہیں۔

"كَانَ" جو ہے اس میں وقت ہی نہیں ہے اگرچہ دلالت کیا ہے؟ فعل ماضی کی دلالت ہے لیکن یہ وقت سے عاری ہے زمانے سے عاری ہے زمانے کا معنی اس میں ہوتا نہیں ہے بلکہ اس میں ہمیشگی کا معنی پایا جاتا ہے (اُلٹ)۔ اس کی جو دلالت ہے وہ کس چیز پر ہے وقت کے اعتبار سے؟ جب "كَانَ" کے ساتھ جملہ جوڑ دیا جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ پہلے تھا، اس کا معنی عربی گرامر کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس میں ہمیشگی کا معنی پایا جاتا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اگر یہ وصف باقی رکھیں وقت کی دلالت کا "كَانَ" میں "لكان هذا الوصف قد انتهى" (تو یہ وصف ختم ہو چکا ہوتا)، کہ پہلے تو سمیع اور بصیر تھا لیکن اب سمیع اور بصیر نہیں ہے اور یہ معنی فاسد اور باطل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو صفات سے متصف ہے "السمع والبصر على الدوام" ہمیشہ، اور "كَانَ" اس سیاق میں اس سے تحقیق مراد ہے کہ یقیناً اور حقیقتاً اللہ تعالیٰ جو ہے وہ صفت السمع والبصر سے متصف ہے۔

﴿سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ اس کو جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (اس کا معنی جو ہے) پچھلی آیت میں وہی معنی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی سمع کی دونوں قسمیں اور بصر کی بھی دونوں قسمیں اس میں شامل ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا انگوٹھا اور جو انگشت شہادت ہے اپنی آنکھ اور اپنے کان پر رکھ دی یہ تحقیق کرنے کے لیے (یعنی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر ہے یعنی یہ انگوٹھا اور یہ آنکھ) سمیع اور بصیر اس طریقے سے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور سننے کی جو صفت ہے "العين والأذن" آنکھ اور کان (کان تو اللہ تعالیٰ کی یعنی صفت نہیں ہے لیکن سننا جو ہے وہ صفت ہے)۔

آنکھ کے جو دلائل ہیں وہ اور جگہ موجود ہیں اور کان کے اعتبار سے (ذرا غور سے سنیں) اہل سنت والجماعت کے نزدیک "لا تثبت لله ولا تنفى عنه لعدم ورود السمع بذلك" (نہ نفی کی جاتی ہے اور نہ ہی اسے ثابت کیا جاتا ہے)۔ ثابت نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کی دلیل نہیں ہے، کان کی دلیل نہیں آنکھ کی دلیل ہے۔

کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کا کان ہے؟ ہم کہتے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہیں ہے؟ ہم کہتے ہیں اللہ أعلم۔ ہے یا نہیں ہے؟ اللہ أعلم۔

اہل سنت والجماعت کا اس میں کیا عقیدہ ہے "والأذن" کان کے اعتبار سے؟ "عند أهل السنة والجماعة لا تثبت لله ولا تنفى عنه" (نہ ثابت کرتے ہیں نہ اس کی نفی کرتے ہیں)۔ کیوں؟ "لعدم ورود السمع بذلك" (اس کی کوئی دلیل نہیں ہے)۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں "فإن قلت" (اگر آپ یہ کہیں) "هل لي أن أفعل كما فعل الرسول صلى الله عليه وسلم؟" (کیا میں یہ کر سکتا ہوں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا جب یہ آیت پڑھوں تو میں بھی ایسے جو انگوٹھا ہے کان پر اور انگشت شہادت آنکھ پر رکھ کر اس طریقے سے کروں؟)۔

اس کا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں، بعض علماء نے کہا جی ہاں! آپ کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اور مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ یعنی بہتر نہیں ہے ان کی رہنمائی کرنے میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ یعنی آپ خبردار رہنے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں ہے۔

((تو یعنی علماء کا ایک یہ قول ہے کہ کر سکتے ہیں))۔

اور بعض علماء نے کہا ہے اس کی حاجت ہی نہیں ہے کہ آپ ایسا کریں، جب ہم یہ اچھی طرح جان لیتے ہیں کہ اس کا معنی یہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر کے دکھایا ہے کہ یہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی صفت جو ہے دیکھنے کی اور سننے کی اصل مقصد یہ تھا جو بیان ہو چکا ہے، اور نا کہ اشارہ خود مقصود ہے بذاتہ۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اشارہ کیوں کیا؟ صحابہ کو دکھانے کے لیے تاکہ پتہ چلے کہ یقیناً جیسا کہ ہمارے کان ہیں اور ہماری آنکھیں ہیں اور یہ یقینی ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا ہے مشابہت نہیں ہے، لیکن اصل دیکھنے کی صفت جو ہے وہ ثابت ہے۔

ہم سن رہے ہیں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں ہم یہ سن رہے ہیں اشارہ کان کی طرف کیا) اللہ تعالیٰ بھی خوب سنتا ہے وہ سمیع ہے کیونکہ۔ کیونکہ آیت کیا تھی؟ ﴿سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾ تو جب اشارے سے بتایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر کے دکھایا تو اس صفت کو یقیناً ثابت کرنا مقصد تھا نا کہ اشارہ خود مقصد تھا۔ جب اشارہ خود مقصد نہیں تھا تو ہمیں اب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اشارے سے بات کریں اور خاص طور پر جب اس چیز کا یعنی خدشہ ہو کہ اس اشارہ کرنے سے مثلیت کوئی سمجھ لے کہ اشارے میں مطلب ہے جیسے ہمارے کان اور آنکھیں ہیں ویسی اللہ تعالیٰ کی کان اور آنکھیں ہیں (تو اس طریقے کا اگر خدشہ تو نہیں کرنا چاہیے)، لیکن جیسا کہ کوئی عوام آپ کے سامنے بیٹھی ہو جو نہیں سمجھتے ہیں ان چیزوں کو تو آپ کو اس چیز سے بچنا چاہیے "ولكل مقام مقال"۔

لوگ بھی ایسے سمجھتے نہیں ہیں عوام الناس بیٹھے ہیں آپ سمجھا رہے ہیں اشارہ بھی کرتے ہیں اب ایک جاہل کیا سمجھے گا؟ کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہیں جیسے ہماری ہیں کان ہیں جیسے ہمارے ہیں، جبکہ اصل مقصد یہ نہیں ہے اصل مقصد یہ ہے کہ جو اصل صفت ہے اس کو ثابت کرنا ہے نا کہ جو اشارہ کیا جا رہا ہے اس کو ثابت کرنا ہے (صحابہ نے تو سمجھ لیا)۔

صحابہ نے کیا سمجھا ہے کہ جیسے مخلوق کی ہیں ویسے؟ تو فوراً سوال کرتے۔ نہیں؟! تو اُن کی خاموشی کا یہی ثبوت ہے کہ انہوں نے وہی سمجھا ہے جو اصل مقصد تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمجھانے کا۔

اور اسی طریقے سے شیخ صاحب فرماتے ہیں ''وكذلك ما ورد في حديث ابن عمر كيف يحكي رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (يأْخُذُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ سَمَاوَاتِهِ وَأَرَضِيهِ بِيَدَيْهِ، فيَقولُ: أَنَا اللَّهُ)، ويقبض أصابعه ويبسطها. فيقال فيه ما قيل في حديث أبي هريرة''یعنی دوسری اس کی مثال یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یعنی قیامت کے دن آسمانوں کو اٹھائے گا اور زمینوں کو بھی اور فرمائے گا کہ میں اللہ ہوں، اور اپنی ''يقبض أصابعه ويبسطها''، جو انگلیاں ہیں جو ہاتھ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں کیے کھول بھی رہے تھے مٹھی کو بند بھی کر رہے تھے۔ تو اس میں کیا کہیں گے ؟ وہی کہیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے انگوٹھے کا اور انگشت شہادت کا۔

تو اصل کیا تھا؟ یہ بتانا تھا پکڑنا، اور یہ معنی کے اعتبار سے نا کہ جیسے ہمارا ہاتھ ہے اس طریقے سے مثلیت ہے، تو اس میں بھی وہی کہیں گے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

اور اس میں جو ہمارا مسلکی فائدہ ہے سمیع اور بصیر کی صفت میں کہ ہمیں خبردار رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کی ہم مخالفت نہ کریں نافرمانی نہ کر بیٹھیں اپنے اقوال اور افعال میں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو نام جو ہیں پیارے نام ثابت ہیں "السمیع البصیر"، اور صفات میں سے جو ہے صفت ''السمع، والبصر، والأمر، والموعظة''پوری آیت میں جو بیان ہوا ہے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (28.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔